سید اکرام الحق جاوید

انتشار برائے اتحاد یا اتحاد برائے انتشار

ہم پاکستانی بھی عجیب قوم ہیں ۔ ہر وقت اتحاد کی تلاش میں رہتے ہیں حتی کہ اس نعمت غیر مترقبہ کے حصول کے لئے انتشار سے بھی گریز نہیں کرتے ۔ سیاست کا سٹیج ہو یا دینی جلسے جلوس، ہر مقرر اتحاد بین المسلمین پر نہال ہوتا جاتا ہے ۔ سامعین سر دھنتے نہیں تھکتے ۔ لیکن شو ختم ہوتے ہی سب لوگ انہی راستوں سے واپس چلے جاتے ہیں جن پر کہ وہ آئے تھے ۔ فکری تبدیلی واقع ہوتی ہے نہ عملی تبدیلی رونما ہوتی ہے ۔ سنی، سنی رہتا ہے ۔ شیعہ، شیعہ، حتیٰ کہ وہ چند قدم آگے بڑھنے یا چند قدم پیچھے ہٹنے پر بھی رضامند نہیں ہوتے ۔ بقول شاعر

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ۔ ہم اپنی وضع کیوں بدلیں

سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

حقیقت کو قریب سے دیکھا جائے تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں کہ وہ جو اتحاد کی ضرورت پر بولتے نہیں تھکتے اور جن کی تحریروں سے لوگ اتحاد کا سبق لیتے ہیں وہ اتحاد پر "اپنی کاروائی" سے زیادہ کچھ نہیں کرتے ۔

سب لوگ خود عمل کرنے کی بجائے دوسروں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ تبدیل ہو جائیں ۔ کوئی نمونہ بننے کو تیار نہیں ۔ سیاستدان ہوں یا دینی زعماء، قطعی طور پر اپنی روش چھوڑنے کو تیار نہیں ۔ خاص طور پر کہ آج کے ایسے دور میں کہ جب جماعتوں کی قوت نہ ہونے کے برابر ہو اور طاقت کا سرچشمہ صرف اور صرف سربراہ ہوں، کسی بھی جماعت کی شوریٰ ایسی قرارداد پاس نہیں کرتی جس میں اپنے موقف میں لچک کا اظہار ہو ۔ جہاں ہے اور جیسے ہے کی بنیاد پر اتحاد بھلا کہاں ہوتا ہے ۔ اگر اہل تشیع ماتم، تعزیہ، مجلس اور مرثیے برقرار رہتے ہیں ۔ اگر بریلوی بدستور عید میلاد النبی کے جلسے جلوس، چراغاں، ختم، کرتے رہیں ۔ اگر دیوبندی ہر عمل کو امام ابوحنیفہؒ سے منسوب کر کے جوں کے توں رہیں ۔ اور اگر اہل حدیث افہام و تفہیم سے کام لے کر اہل بدعت اور شرک کرنے والوں کو قریب کر کے انہیں کتاب و سنت کی تعلیمات سے آگاہ نہ کرنے کی پالیسی پر عمل جاری رکھیں اور رواداری کا سبق بھلا بیٹھیں تو پھر اتحاد کا ہے کو ہوگا؟ اور اگر ضیاء الحق کے اس سلوگن پر عمل جاری رہے کہ "اپنا مسلک چھوڑو نہ، دوسرے کا مسلک

چھیڑو نہ "تو پھر اتحاد کیسے ممکن ہے؟؟

سبھی کو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کے لئے اپنے قائم کردہ نظریات میں نظر ثانی کرنا ہوگی۔ بعض دینی جماعتوں کے سربراہ اگر دردمندی سے ایسا کوئی اقدام کر بھی لیتے ہیں تو ان کے عقیدت منداور مسلک کے لوگ انہیں ایسا مجبور کرتے ہیں کہ انہیں اپنا تھوکا چاٹنا پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں تھوڑے تھوڑے برسوں کے بعد دینی اور سیاسی اتحاد بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں۔ کبھی ان میں نظریات نقطہ اتحاد ثابت ہوتے ہیں کبھی شخصیات، اس کی ایک مثال 1977 کی قابل ذکر تحریک نظام مصطفیٰ بھی ہے کہ جس میں شخصیات کو پس پشت ڈال کر صرف نظام کی بات پر پوری قوم متحد ہوئی تھی جب کہ بعد میں ایک نقطے "نواز شریف اتارو" پر اکٹھی ہوگئی۔ اب بھی کچھ صورت حال اس سے مختلف نہیں۔ امریکہ بھی ایک اتحادی نقطہ بن گیا ہے۔ جماعتوں میں امریکہ مخالفت کا نقطہ ایسا اتحاد ہے کہ جس میں بھی انتشار پیدا کرنے کی کوششیں ہونے لگی ہیں۔ ہمارے ہاں بھی ایجنسیاں انتشار کی پرورش کرتی ہیں کاش! کہ کبھی ایسا ہوتا کہ یہ ایجنسیاں قوم میں اتحاد اور یک جہتی کے لئے کام کرتیں تاکہ قوم کا پیسہ قوم پر صحیح معنوں میں خرچ ہوتا ہمارے ہاں امریکہ کو گالی دینے کا عام رواج ہے۔ ہر برا کام امریکہ کے کھاتے میں ڈالا جارہا ہے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں شیطان اور امریکہ لازم وملزوم کر دیئے گئے ہیں۔ شاید یہ اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کی بھی ایک سکیم ہو۔ امریکہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد نہ ہو۔ اور مسلمان چاہتے ہیں کہ اتحاد ہو تو پھر کون جیتا۔ مسلمان کہ امریکہ۔ یقیناً امریکہ نہیں جیتتا بلکہ مسلمان اتحاد کرنے میں ہار جاتے ہیں۔ اور اس ناکامی کا دھبہ "امریکہ" کہلاتا ہے۔

شیعہ سنی تصادم میں امریکہ کہاں سے آجاتا ہے؟ حضرت حسینؓ بھی مسلمانوں کے اور حضرت امیر معاویہؓ بھی مسلمان ہیں۔ اس میں امریکہ پر کیا دوش۔ وہ تو نہ حسینی ہے اور نہ معاویائی۔ بجلی کی لوڈ شیڈنگ ہو جائے تو الزام امریکہ پر۔ حتیٰ کہ مسجد کے جھگڑے اور آپس کے تنازعات بھی سر اٹھائیں تو سبھی کے سبھی امریکہ کی کارستانی شمار ہوتے ہیں۔ امریکہ کو کیا پڑی ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں دخل دے۔ انتشار اور افراتفری کیلئے مسلمان ہی کافی ہیں۔ ہر برائی کا نام امریکہ تو رکھا نہیں جاسکتا۔ جب امریکہ سپر پاور نہیں بنا تھا تو اس وقت مسلمانوں میں کون اتحاد نہیں ہونے دیتا تھا۔ آج حالات اس امر کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ سیاسی و دینی جماعتوں کے راہنماؤں کا بھی محاسبہ ہو۔ اور ایسے راہنماؤں کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے جو بات تو اتحاد کی کرتے ہیں اور کام انتشار کیلئے